© rasailojaraid.com

ایران میں چند روز

سعید احمد اکبر آبادی

(۷)

علوم و فنون اسلامیہ و مشرقیہ کی تحصیل سے فراغت کے بعد بدیع الزمان فروزانفر پہلے مدرسۂ حقوق میں منطق کے، اس کے بعد دار المعلمین میں عربی زبان اور منطق کے معلم ہوئے۔ ایک برس کے بعد اسی درسگاہ میں فارسی زبان اور ادبیات کے درس کی خدمت بھی ان کے سپرد ہوگئی۔ دو برس بعد مدرسۂ عالی سپہ سالاری میں تفسیر قرآن مجید اور عربی ادبیات کے مدرس ہوئے۔ دو ڈھائی برس تک یہاں کام کیا۔ پھر مختلف کالجوں اور اداروں میں کہیں صدر شعبہ اور کہیں استاد کی حیثیت سے تاریخ ادبیات فارسی اور اسلامی تصوف کے درس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۲۳ھ (ایرانی) میں ایک کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ایران کی پارلیمنٹ اور دوسری اونچے درجہ کی علمی تعلیمی اور سیاسی جماعتوں کے بھی ممبر رہے۔

امریکہ، یورپ، ترکی، بعض عرب ممالک اور ہندوستان و پاکستان کا سفر بھی کیا تھا۔ تمام علوم و فنون میں استعداد بڑی پختہ اور نظر بہت وسیع تھی۔ مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا ذوق فطری تھا۔ علامہ عبد الوہاب قزوینی کی ہمہ وقتی ہم نشینی اور معیت نے اس شراب دو آتشہ کو اور سہ آتشہ بنا دیا تھا۔ اس بنا پر گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود نہایت انہماک کے ساتھ تحقیقی مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں لگے رہے۔ چنانچہ مقالات اور بعض کتابوں کے حواشی و مقدمات کے علاوہ مستقل کتابیں جو ان کے قلم سے نکلیں یا جن کو انھوں نے اڈٹ کیا تھا، ان کی تعداد بیس بتائی جاتی ہے۔ مولانا جلال الدین رومی اور آپ کی مثنوی سے عشق تھا اور اسی تقریب سے تصوف کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ اس موضوع پر انکی کتابیں اور مقالات کئی ایک ہیں اور ضخیم ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہو سکا ان کے نام یہ ہیں :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) رسالہ در احوالِ مولینا جلال الدین
(۲) خلاصۂ مثنوی
(۳) فیہ ما فیہ از گفتارِ مولوی
(۴) ماخذِ قصص و تمثیلاتِ مثنوی
(۵) احادیثِ مثنوی
(۶) دیوانِ شمس تبریزی (دیوانِ کبیر)
(۷) شرحِ مثنوی شریف
(۸) ترجمۂ رسالہ قشیریہ (متن قدیم)
(۹) احوال و تحلیل آثار فرید الدین عطار نیشاپوری
(۱۰) معارف تالیف بہاء ولد
(۱۱) فارابی و تصوف مقالہ مطبوعۂ یغما ج ۴ ص از ۹۷ تا ۳۰۱
(۱۲) بوعلی سینا و تصوف (مقالہ)
(۱۳) شعر مولوی: یادنامۂ مولوی (مقالہ)

غیر معمولی علم و فضل، بلند عہدہ و منصب اور حسنِ اخلاق و گفتار کے باعث موصوف کا مرتبہ و مقام ایران کے ارباب علم و تحقیق اور اصحاب سیاست و حکومت دونوں طبقوں میں بڑا اونچا تھا اور ہر شخص ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔ ایران سے واپسی کے ایک ڈیڑھ ماہ بعد یعنی گذشتہ مئی ۱۹۷۰ء میں جب ایک دن اچانک ان کی وفات حسرت آیات کی خبر سنی تو جی دھک سا ہو کر رہ گیا۔ مرحوم کی تصویر آنکھوں میں پھر گئی اور دیر تک ان کو یاد دلا کے بے چین کرتی رہی۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃ، مرحوم کی خوش اخلاقی کا یہ عالم تھا کہ نقاہت اور ضعف کے باوجود اس روز ہم کو اپنے گھر بلا کر زیارت و ملاقات کا شرف بخشا، ہندوستان اور خصوصاً علی گڑھ کا ذکر کرتے رہے اور اس کے بعد ہم طہران میں دو روز ٹھہرے تو دونوں دن شام کے وقت بازدید (RETURN VISIT) کے طور پر وہ ہمارے ہوٹل تشریف لاتے رہے۔ بلکہ ایک دن تو ایسا ہوا کہ میں اپنے ہوٹل سے کافی فاصلہ پر ایک گنجان سڑک پر پاپیادہ چل رہا تھا کہ مرحوم اس وقت ہمارے ہوٹل جا رہے تھے کسی طرح ان کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی تو کاروں کے اس بے پناہ ہجوم میں ہی اپنی کار میرے قریب لا کر روک لی اور مجھ کو اپنے ساتھ لے لیا۔ اب ان بزرگانہ اخلاق و مقام کے لوگ کہاں ملیں گے۔!!

فروش گاہ فردوسی آقائے مرحوم سے رخصت ہو کر ہم دونوں فروش گاہ فردوسی آئے۔ تہران ایران کا دار الحکومت ہے۔ اس لئے نہایت وسیع بہت خوب صورت اور گنجان شہر ہے جس طرف نکل جائیے عالی شان عمارتیں، دفاتر، مکانات اور بازار ہیں۔ لیکن ان سب میں بازار کی حیثیت سے فروش گاہ فردوسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو وہی اہمیت اور عظمت حاصل ہے جو پرانی دہلی میں چاندنی چوک کو اور کلکتہ میں چورنگی کو ہے۔ بسڑکیں نہایت کشادہ اور صاف ستھری، کاروں اور پا پیادہ لوگوں کی ریل پیل۔ چھوٹی بڑی دکانیں زرق برق قسم قسم کے سامانوں سے بھرپور۔ مغرب کے بعد رنگ برنگ کی روشنیوں کے باعث یہ پورا علاقہ گلزار ارم نظر آتا ہے۔ مجھ کو نہ شاپنگ سے دلچسپی ہے اور نہ میں اس کا اہل ہوں۔ اس کے برعکس اقبال صاحب کو اس سے دلچسپی ہے اور اس کے ماہر بھی ہیں اس لئے میں اور معتمدی ہم دونوں اقبال صاحب کے تابع بنکر دکان بدکان بازار میں پھرتے اور مختلف چیزوں کا بھاؤ پوچھتے پھرتے۔ اقبال صاحب نے کچھ چیزیں بہت کچھ بھاؤ تاؤ کرنے کے بعد خریدی بھی! اس کے بعد ہم نے پورے بازار کا ایک گشت کیا اور آٹھ بجے کے قریب ٹیکسی میں بیٹھ ہوٹل واپس آگئے اور ہم کو شب بخیر کہہ کر معتمدی گھر واپس ہوگئے۔

قم دوسرے روز یعنی ۲۵ مارچ کو ڈاکٹر صلاح الدین المنجد۔ ڈاکٹر اقبال انصاری اور راقم الحروف ہم تینوں نے قم جانے کا پروگرام بنالیا۔ آنا جانا اگرچہ ٹیکسی سے ہوا لیکن کرایہ کانفرنس نے ادا کیا۔ اپنے ساتھ رہنمائی کے لئے ایک مقامی شیعہ عالم کو لے لیا تھا۔ صبح آٹھ بجے ناشتہ سے فارغ ہوکر ہم چاروں روانہ ہوئے اور ڈھائی تین گھنٹہ میں قم پہنچ گئے جو تہران سے ایک سو پچاس کیلومیٹر کے فاصلے پہ ہے۔ یہ ایران کا پرانا اور تاریخی شہر ہے۔ کتابوں میں عام طور پر اس کا ذکر قاشان کے ساتھ معطوف ہوکر آتا ہے۔ بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے نہاوند کی فتح کے بعد ۲۳ھ میں اس کو فتح کیا اور ۸۳ھ میں حجاج بن محمد بن یوسف الثقفی کی گورنری کے زمانہ میں اس کی شہر بندی ہوئی۔ معجم البلدان میں یاقوت حموی کا بیان ہے کہ اس کا اصل نام کمندان تھا۔ عربوں نے اس کو فتح کیا تو پہلے نام کا آخری جزو ابن " اڑا دیا اور پھر کمن "کو قم " کر لیا گیا نظامی عروضی سمرقندی نے یہاں کا ایک دلچسپ واقعہ یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ صاحب بن عباد نے ایک قاضی کو اس کے عہدے سے معزولی کا خط لکھا تو اس میں تحریر کیا:

ایھا القاضی بقُمّ :: قد عزلناک فقُم :: اس کے بعد قاضی غریب جب کسی سے ملتا اس سے کہتا: انا معزول السجع بلا سبب وشئی وقع: بہرحال قم کو تاریخ اسلام میں علمی اور دینی طور پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی ہے اور فرقۂ شیعہ امامیہ کی روایات میں تو اس شہر کے فضائل و مناقب کم و بیش وہی ہیں جو اہلِ سنت والجماعت کی روایات ہیں۔ دمشق۔ شام۔ اور یمن کے ہیں۔ چنانچہ ان حضرات کے ہاں ایک مشہور روایت ہے: لولا القمیون لضاع الدین۔ ہمارے نزدیک نہ سنیوں کی وہ روایات بھروسہ کے قابل ہیں۔ اور نہ یہ شیعہ روایات! لیکن اس کے باوجود کتابیں ہیں کہ ان روایات سے بھری پڑی ہیں فیا ماساۃ الاسلام! چنانچہ خاص فضائل قم پر ایک دو نہیں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ شیخ محمد علی قمی نے اپنی کتاب تاریخ قم کے مقدمہ میں جس کا اصل نام انوار المشعشعین ہے اور جو اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔ ان کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ بہرحال علمی اور دینی اعتبار سے اس شہر کو جو شہرت اور عظمت حاصل رہی ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور خوشی کی بات ہے کہ اس زمانہ میں بھی اس کی یہ حیثیت بڑی حد تک قائم ہے۔

روضۂ جناب معصومہ شیعہ حضرات کے ہاں اس شہر کے تقدس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں جناب معصومہ جو امام موسیٰ کاظم کی دخترِ فرخندہ گوہر اور امام علی رضا کی بہن تھیں ان کا مزار یہیں ہے۔ جو مرجعِ عوام و خواص ہے اور اس کی زیارت کو شیعہ روایات میں بہشت کی ضمانت قرار دیا گیا ہے۔ شیخ محمد علی قمی نے ان کی وفات کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ جب مامون الرشید، علی بن موسیٰ الرضا کو ان کے لئے ولی عہدی کی بیعت لینے کی غرض سے مدینہ سے ساتھ لے کر مرو گیا تو جناب معصومہ کو جن کا اصل نام فاطمہ تھا۔ بھائی سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی اور وہ اپنے مستقر سے روانہ ہو گئیں۔ مقام ساوہ کے قریب پہنچ کر بیمار پڑیں تو پوچھا: قم یہاں سے کتنی دور ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: دس فرسنگ! یہ سن کر آپ نے خادم کو حکم دیا کہ مجھ کو قم لے چل! چنانچہ آپ قم پہنچیں۔ چند روز کے بعد آپ کی وفات ہو گئی تو یہاں کے گورنر موسیٰ بن خزرج بن سعد نے تجہیز و تکفین کے بعد خود اپنی مملوکہ زمین میں آپکی تدفین کی۔ اس پر ایک قبہ بنوایا (ص ۲۰۷ و ۲۰۸)

ہم جب شہر قم میں داخل ہوئے تو پہلے سیدھے اس روضہ پر آئے۔ فاتحہ پڑھی اور گھوم پھر کر اس کی مختلف عمارتوں کو دیکھا۔ چہل پہل، رونق و زینت اور شان و شوکت اس روضہ کی وہی ہے جو مشہد میں جناب علی الرضا کے روضہ کی ہے۔ مقبرہ کا گنبد! اس کے دروازے اور ستون سب پر شیشہ بندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مینا کاری کا اس درجہ حسین و جمیل کام ہے کہ نگاہوں کو ان پر جمنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کا اندرونی حصہ اور صحن دونوں مردوں اور عورتوں سے پر تھے۔ اِدھر اُدھر لوگوں کی مختلف ٹولیاں بنی ہوئی تھیں جن کے وسط میں مجلس خوان سلام و منقبت یا مرثیے پڑھ رہے تھے۔ خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے جاتے تھے۔ مقبرہ سے باہر نکل کر اس کی مختلف عمارتوں کا جن میں ایک مسجد بھی ہے، جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس کی حیثیت یہاں وہی ہے جو ہمارے ہاں دہلی میں مقبرہ نظام الدین اولیا یا ہمایوں کے مقبرہ کی ہے۔ یعنی لوگ فاتحہ اور حصول برکت وسعادت کے لئے بھی آتے ہیں اور سیر و تفریح اور وقت گذاری کے لئے بھی! یہاں بھی یہ دیکھ کر سخت افسوس اور صدمہ ہوا کہ روضہ کے نہایت وسیع صحن میں اِدھر اُدھر جا بجا سینکڑوں قبریں تھیں جن کے تعویذ ہم سطح زمین تھے۔ ان تعویذوں پر میت کے نام اور تاریخ وفات کے ساتھ قرآن مجید کی کوئی آیت یا کوئی حدیث وغیرہ بھی کندہ ہوتی تھی۔ لیکن اس کے باوصف عورت مرد، سب ان قبروں پر قدم رکھ کر بے تکلف چلتے پھرتے تھے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے اجتناب ہو بھی نہیں سکتا۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ قم کی علمی اور مذہبی حیثیت اب بھی قائم ہے۔ چنانچہ یہاں متعدد کتب خانے ہیں۔ بازار میں کتابوں کی دکانیں کثرت سے ہیں۔ مدارس اور مکاتب بھی بڑی تعداد میں ہیں۔ علماء عمامہ برسر اور جبہ دربر ہر کوچہ و برزن میں نظر آتے ہیں۔ شہر میں قدیم تہذیب کی سنجیدہ فضا اب بھی قائم ہے۔ سڑکیں وسیع اور کشادہ ہیں۔ لیکن عمارتیں اور مکانات طرز قدیم کے ہیں۔ زن و مرد سب قومی لباس اور ایرانی وضع قطع میں دکھائی دیتے ہیں۔ روضہ کی زیارت سے فارغ ہو کر اس کے قریب ہی کی ایک بڑی عمارت میں ایک بڑا کتاب خانہ تھا وہاں پہنچے۔ یہاں مطبوعہ کتابوں کے وسیع ذخیرہ کے علاوہ مخطوطات بھی خاصی تعداد میں تھے۔ ہم نے پہلے مخطوطات کی فہرست پر ایک نگاہ ڈالی اور اس کے بعد چند مخطوطات منگوا کر دیکھے بھی۔ یہاں شیخ طوسی کے بعض ایسے نادر رسائل مخطوط کی شکل میں موجود تھے جو شاید دوسری جگہ نہ ہوں۔ صاحب مکتبہ جو صاحب علم اور صاحب ذوق ہونے کے ساتھ بڑے خلیق اور ملنسار بھی ہیں۔ انھوں نے چائے وغیرہ سے تواضع کی۔ اور ہم اب یہاں سے روانہ ہو کر بازار میں آ گئے۔

دار التبلیغ اسلامی | قم میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا ایک عظیم الشان ادارہ ایک عرصہ سے قائم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ عربی فارسی اور انگریزی میں چھوٹے چھوٹے پمفلٹ مختلف موضوعات پر طباعت اور کاغذ کے بڑے اہتمام سے شائع کرتا اور انہیں مفت تقسیم کرتا ہے۔ اس ادارہ کے مختلف شعبہ جات ہیں ان میں سے ایک شعبہ رد مسیحیت اور مشنریز نے اسلام پر جو یلغار رچائی ہے اس کے موثر جواب کا ہے۔ اس سلسلہ میں اب تک جو پمفلٹ شائع ہوئے ہیں ان کی نوعیت کا اندازہ حسب ذیل عنوانات سے ہوگا۔

(۱) دور نمائے مسیحیت کنونی (۲) ارزیابی کتب مقدسہ یہود و نصاریٰ (۳) غذائے فکر برائے مسیحیان سنہ بخش (۴) اناجیل راشناسیم (۵) درباره عہد جدید (۶) نظریۂ فدائی مسیح (۷) تثلیث (۸) عشاء ربانی مقدس (۹) معجزات حضرت مسیح (۱۰) زندگی حضرت مسیح وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ ایک شعبہ خالص اسلامی عقائد و اعمال و اخلاق پر۔ اور ایک شعبہ تہذیب جدید کے مسائل پر جو نوجوانوں کے لئے عام گمراہی کا باعث بنے ہوئے ہیں، مختلف زبانوں میں رسالے اور پمفلٹ شائع کرنے کے لئے مخصوص ہے۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ شیعہ سنی اختلافات کا ہلکا سا شائبہ بھی نہیں ہے۔ غرض کہ یہ ایک بڑا ادارہ ہے جو خلوص دیکجہتی اور عزم و ہمت سے نہایت باقاعدگی اور ضبط و نظم کے ساتھ اپنے مقاصد کے مطابق کام کر رہا ہے۔ اور اس کی صدائے بازگشت ایران سے باہر دوسرے ملکوں میں بھی سنی جا سکتی ہے۔ میں اس ادارہ سے تھوڑا بہت کچھ واقف تھا۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ اس موقع پر ادارہ کا تصور ذہن سے بالکل خارج ہو گیا۔ چنانچہ کتاب خانہ دیکھ کر ہم لوگ بازار میں آگئے تو ڈاکٹر اقبال انصاری سے ڈاکٹر صلاح الدین المنجد اور میں، ہم دونوں سے کہا: آپ دونوں یہاں بازار کی سیر کریں مجھ کو فلاں نمبر کے مکان میں ایک صاحب سے ملنا ہے ان سے مل کر ابھی آدھ گھنٹہ کے اندر اندر آتا ہوں۔ چنانچہ وہ یہ کہہ کر چل دیئے اور ہم بازار میں ادھر ادھر گھومتے رہے۔ کافی دیر اور انتظار کے بعد جب واپس آئے اور معلوم ہوا کہ وہ دراصل دار التبلیغ کے دفتر گئے تھے اور وہاں سے کافی لٹریچر لائے اور امیر ادارہ سے ملاقات اور گفتگو کر کے آئے ہیں تو مجھ کو اپنی محرومی پر سخت افسوس ہوا۔ معلوم ہوا کہ لنچ کا وقت ہو جانے کی وجہ سے اب دفتر بند بھی ہو گیا ہے ورنہ لپک کر ایک نظر تو میں بھی ڈال آتا ـــــ خیر! یار زندہ صحبت باقی!

چلو کباب چلو کباب ایران کی بہت پسندیدہ اور مقبول غذا ہے۔ کھانے کی دکانوں اور ہوٹلوں پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جگہ جگہ اس کے بورڈ نظر آتے ہیں۔ میں بیرونی ملکوں کے سفر میں عام طور پر انگریزی قسم کے کھانے کا عادی ہوں اور انہیں پسند کرتا ہوں۔ اس لئے اب تک ایران کی یہ قومی غذا کھانے کیا اس کو دیکھنے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ اب لنچ کا وقت ہوگیا تھا اس لئے ہم چاروں آدمی ایک ریستاران میں گھس گئے۔ جو چلو کباب کے لئے مخصوص تھا۔ یعنی یہاں اس کے سوا کوئی اور کھانا تھا ہی نہیں۔ خاصہ بڑا ریستاران تھا لیکن اس وقت عورتوں مردوں اور بچوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور سب بڑے شوق سے اپنے کام میں مشغول تھے ہم کو بڑی مشکل سے جگہ ملی۔ کوئی کہیں بیٹھا اور کوئی کہیں۔ بیٹھتے ہی ایک بڑی پلیٹ میرے سامنے رکھ دی گئی۔ میں نے جائزہ لیا تو دیکھا پلیٹ میں سب سے نیچے گوشت کا ایک ماہی نما لانبا چانپ (جس کو یہ لوگ کباب کہتے ہیں) رکھا ہوا تھا۔ اس پر خشک چاول مگر عمدہ قسم کے بہت کافی مقدار میں پڑے ہوئے۔ چاولوں کے اوپر ایک مکھن کی ٹکیہ، ساتھ ہی پنیر کا ایک ٹکڑا اور اس پر ترکاری کے قسم کی کوئی چیز۔ پلیٹ کے ساتھ ایک برتن میں دہی الگ اور ایک طشتری میں کچھ سلاد۔ بس لیجئے! یہ ہے چلو کباب کا پورا سرمایۂ وجود! اب میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کھاؤں کس طرح؟ میرے آس پاس جو ایرانی مصروفِ طعام تھے ان پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور آخر ان کی نقالی میں پہلے چھری سے میں نے کباب کے ٹکڑے کئے اور اس کے بعد چمچہ سے سب چیزوں کو الٹ پلٹ کر کے ایک دوسرے کے ساتھ لت پت کردیا۔ پھر چمچہ سے ہی اس کو اس طرح کھانا شروع کیا کہ ایک دو نوالہ چاول کے لیتا اور ایک گھونٹ دہی کا پی لیتا تھا۔ سات آٹھ نوالے اس طرح زہر مار کئے ہوں گے کہ کام و دہن نے ساتھ چھوڑ دیا اور میں دہی کا گھونٹ بھر کر کھڑا ہوگیا۔ رستوران سے باہر آکر ٹیکسی میں جو ہمارے ساتھ تھی پورے شہر کا ایک چکر لگایا تاکہ اس کا اندازہ ہو سکے۔ جو ایرانی عالم بطور رہنما ہمارے ساتھ آئے تھے ان کی سسرال یہیں تھی اس لئے تھوڑی دیر کے لئے ہم یہاں بھی آئے۔ یہاں ظہر کی نماز ادا کی۔ خشک میوہ اور تازہ پھلوں کے ساتھ چائے پی اور پھر تہران میں اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد معتمدی آگئیں اور میں ان کے ساتھ باہر جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اتنے میں پروفیسر سید حسین نصر اور ان کے بعد پروفیسر بدیع الزماں فروزانفر آگئے۔ پروفیسر سید حسین نصر آج کل تہران یونیورسٹی میں ہیں۔ لیکن اپنے علم و فضل اور افکار و خیالات کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجہ سے صرف ایران کے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے نامور اور بلند پایہ مصنف اور مفکر رہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کے تعلیم یافتہ اور وہاں کے ڈاکٹر ہیں۔ دل اور دماغ کے لحاظ سے نہایت راسخ العقیدہ مسلمان ہیں۔ قدرت نے ان میں سائنس، مذہب اور فلسفہ تینوں کا نہایت حسین اجتماع کر دیا ہے انگریزی زبان پر غیر معمولی قدرت ہے۔ اب تک ان کے قلم سے بیسیوں مقالات کے علاوہ انگریزی اور فارسی میں سات آٹھ کتابیں نکل کر شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی تصنیف و تالیف کا بنیادی موضوع دو ہی چیزیں ہیں۔ (۱) یہ کہ سائنسی علوم و فنون میں مسلمانوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں عالم حاضر کو ان سے متعارف کرانا اور (۲) دوسری یہ کہ موجودہ سائنس ٹکنالوجی اور تہذیب جدید نے انسانیت اور تہذیب کے لئے جو مشکلات پیدا کر دیئے ہیں اسلام کی تعلیمات اور اس کے افکار و نظریات کی روشنی میں ان کا حل پیدا کرنا اور انسانِ جدید کے سامنے اسے پیش کرنا چنانچہ ان کی کتاب کائناتی عقیدہ اخوان الصفا ابن سینا اور ابوریحان البیرونی کے یہاں (انگریزی) اور دوسری کتاب "معارف اسلامیہ در جہان نو" (فارسی) مقصد اول کی ترجمان ہیں۔ اور ان کی کتاب "عہد جدید کے انسان کا روحانی ابتلا" مقصد ثانی کی حامل ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے مصنفین اسلامیات پر انگریزی یا یورپ کی کسی اور زبان میں لکھتے ہیں تو ان کا لب و لہجہ عموماً دفاعی (DEFENSIVE) یا معتذرانہ (APOLOGETIC) ہوتا ہے لیکن سید حسین نصر کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا انداز جارحانہ (AGGRESSIVE) یا ایجابی (ASSERTIVE) ہوتا ہے۔ ان خصوصیات کے باعث چند برسوں میں ہی انھوں نے عالم اسلام اور یورپ و امریکہ میں غیر معمولی شہرت حاصل کر لی ہے۔

میری اور پروفیسر سید حسین نصر کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب کہ جنوری ۱۹۶۳ء میں نئی دہلی میں بین الاقوامی اورینٹل کانفرنس ہوئی تھی۔ ایک روز اسی کانفرنس کے زیر اہتمام مسٹر عبدالکریم چھاگلہ جو اس زمانہ میں وزیر تعلیم تھے ان کی صدارت میں مسلم پرسنل لا پر ایک سمپوزیم منعقد ہوا تھا اس میں پہلی تقریر میری تھی اور غالباً چوتھی تقریر سید حسین نصر کی (یہ سب تقریریں گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں) بس یہ تھی میری اور ان کی پہلی ملاقات، اس کے بعد نہ کہیں ان سے ملنا ہوا اور نہ خط و کتابت کی نوبت آئی۔ اس درمیان میں ان کے مقالات اور ان کی کتابیں برابر پڑھتا رہا اس لئے وہ مجھ کو نہ صرف یہ کہ یاد رہے بلکہ ان کی قدر و منزلت میں اضافہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا رہا۔ خود اپنے متعلق میرا خیال یہ تھا کہ اگرچہ میرے چند مقالات انگریزی اور عربی میں بھی شائع ہوئے ہیں۔
لیکن ان کو مستثنیٰ کرکے میرا سرمایہ تصنیف وتالیف جو کچھ بھی ہے وہ اردو میں ہے۔ اس بنا پر اب میں سید حسین نصر کو
کہاں یاد ہوں گا، لیکن اس وقت مجھ کو سخت مسرت انگیز تعجب ہوا جبکہ موصوف نے مجھ کو دیکھتے ہی بڑی گرمجوشی
سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور فرمایا: میں نے اخبارات میں پڑھا تھا کہ آپ آئے ہیں تو آپ سے ملاقات کا بڑا
اشتیاق تھا۔ میں خود بعض مجبوریوں کے باعث مشہد آکر جشن طوسی میں شریک نہ ہوسکا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی
بالکل ایک نئی کتاب اپنے دستخط کرکے مجھ کو نذر کی اور چند اور اہم اور بلند پایہ علمی مجلات کے خاص نمبر بھی عطا کئے
جن میں ان کے مقالات چھپتے رہے ہیں۔ میں نے اس عزت افزائی پر ان کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ پھر دیر تک
ہم بیٹھے عالم اسلام کے مختلف مسائل ومعاملات پر سیر حاصل گفتگو اور تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ اسی اثنا میں
یہ جان کر مزید خوشی ہوئی کہ وہ "برہان" اور "ندوۃ المصنفین" سے واقف تھے اور میرے متعدد مقالات ان کی نظر
سے گذر چکے تھے۔ مجھے بارہا یہ خیال ہوا ہے اور اب بھی ہے کہ اگر عالم اسلام میں دس بارہ سید حسین اور پیدا
ہوجائیں تو آج امریکہ اور یورپ میں ایک عظیم ذہنی اور فکری انقلاب برپا کرسکتے ہیں۔ سید حسین جب رخصت
ہونے لگے تو انھوں نے اس پر اظہار افسوس کیا کہ نوروز کی تعطیلات کی وجہ سے تہران یونیورسٹی اور دوسرے
علمی وادبی ادارے بند ہیں ورنہ وہ میرے دو تین لکچروں کا انتظام کراتے۔ یہ سن کر افسوس مجھے بھی ہوا کیونکہ
اس بہانہ تہران میں قیام اور وہاں کے ارباب علم وادب سے ملاقات اور تبادلۂ خیالات کا زیادہ موقع ملتا۔

حیاتِ عبدالحیؒ

مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب حسنیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کی سوانح حیات، علمی کمالات، دینی خدمات اور ان کی عربی اور اردو تصنیفات پر مفصل تبصرہ معہ ضمیمہ مختصر حالات مولانا مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء)

مؤلفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی مدظلہ العالی۔ کتابت وطباعت اعلیٰ، کاغذ عمدہ سفید، سائز متوسط $\frac{20 \times 30}{8}$ قیمت غیر مجلد دس روپے مجلد گیارہ روپے

پتہ

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com